عالم اسلام کی ٹوٹی ہوئی کشتی کے ملاح کہاں ہیں؟

عالم اسلام کی سچی تصویر شعروں میں

تلاطم کی یہ طغیانی حوادث کی یہ بے باکی
معاذ اللہ یہ وحشت یہ منظر کی غضب ناکی

''شب تاریک وبیم موج وگردابے چنیں حائل''
نہنگان اجل کی نیتیں بیداد پر مائل

غضب تھا اک شکستہ ناؤ کا منجدھار میں پھنسنا
وفا کی سسکیاں قسمت کا رونا موت کا ہنسنا

فقط اک ''سرپھرا'' ملاح طوفانوں سے لڑتا تھا
ہوا کے، آب کے جنوں سے شیطانوں سے لڑتا تھا

اگرچہ ناؤ میں انبوہ در انبوہ انساں تھے
یہ سب ملاح کے ہم قوم تھے یعنی مسلماں تھے

یہ سب تھے عقل و جرأت میں ارسطو اور اسکندر
مگر آرام سے لیٹے ہوئے تھے ناؤ کے اندر

چلی جاتی تھی کشتی خشمگیں موجوں سے ٹکراتی
ابھرتی، بیٹھتی، دبتی، دباتی اور چکراتی

کہیں گرداب کے منہ میں کہیں پرشور دھارے پر
کبھی اس کے اشارے پر کبھی اس کے اشارے پر

ہوا کے دوش پر خونخوار عفریتوں کی فوجیں تھیں
پہاڑ اٹھ اٹھ کے ٹکراتے تھے یا پانی کی موجیں تھیں

فلک پر بے تحاشا دوڑتے تھے ابر کے گھوڑے
کڑکتی بجلیاں برسا رہی تھیں آتشیں کوڑے

اڑا کرتے ہیں صدموں سے جگر کے جس طرح لختے
اکھڑتے جارہے تھے رفتہ رفتہ ناؤ کے تختے

تعجب ہے کوئی پروا نہیں تھی ناؤ والوں کو
کہ طوفاں میں نظر آتی تھی خامی ''باکمالوں'' کو

انہیں معلوم تھا گرداب نے کشتی کو گھیرا ہے
گھڑی بھر میں یہ بیڑا اب نہ تیرا ہے نہ میرا ہے

انہیں دعوے تھے بحر زندگی میں ناخدائی کے
انہیں گُر یاد تھے گرداب میں مشکل کشائی کے

یہ طوفاں پہ کر سکتے تھے لچھے دار تقریریں
دکھا سکتے تھے تقریروں میں طوفانوں کی تصویریں

ہوا کا رخ ذرا بدلے تو سب کچھ جان جاتے تھے
تہہ دریا نہنگوں کی نظر پہچان جاتے تھے

یہ سب جو پاؤں پھیلائے ہوئے کشتی میں لیٹے تھے
پرانے ناخداؤں اور ملاحوں کے بیٹے تھے

مگر وہ ''سر پھرا'' ملاح تنہا تھا، اکیلا تھا
ادھر موجوں کی شدت تھی ادھر پانی کا ریلا تھا

وہ چلاتا تھا، اٹھو بھائیو، آؤ، ادھر آؤ
ذرا ہمت دکھاؤ دست و بازو کام میں لاؤ

ہوا میں اڑ چکی ہے دھجی دھجی بادبانوں کی
شکستہ ہو چکی ہے ناؤ، مانگو خیر جانوں کی

اکھڑ جائیں گے تختے، آؤ ان کو تھام لو آ کر
سلامت ہیں جو کچھ اوزار، ان سے کام لو آ کر

ادھر سیلاب پھر آتا ہوا معلوم ہوتا ہے
ادھر گرداب بل کھاتا ہوا معلوم ہوتا ہے

نہیں ہنگام سونے کا کھڑے ہو جاؤ تن جاؤ
حوادث کے مقابل آہنی دیوار بن جاؤ

مبادا ناؤ اب کے اور بھی کمزور ہو جائے
یہ گرداب بلا شاید دہانِ گور ہو جائے

وہ چلایا، وہ چیخا، منتیں کیں، آہ و زاری کی
مگر بے سود تھا سب کچھ کسی نے بھی نہ یاری کی

نہ آمادہ ہوا کوئی بھی جرأت آزمائی پر
سبھی ہنستے رہے ملاح کی ہر زہ سرائی پر

بلاتا تھا وہ نامِ غیرت اسلام لے لے کر
جھڑک دیتے تھے لیکن سب اسے دشنام دے دے کر

مگر ملاح اپنے فرض کا احساس رکھتا تھا
وہ اپنے ساتھیوں کی آبرو کا پاس رکھتا تھا

اسی نے جسم پر کھائے تھپیڑے تند موجوں کے
اسی کے ساتھ ٹکرائے ہوائے تیز کے جھونکے

وہ اپنی جان پر سہتا رہا، سہتا رہا تنہا!
اٹھو! ہمت کرو!! کہتا رہا کہتا رہا تنہا!

مگر ہنستے رہے ہنستے رہے غفلت کے شیدائی
اسی کشتی کے ہمراہی، اسی ملاح کے بھائی

ادھر بڑھتی رہی، بڑھتی رہی دریا کی طغیانی
ادھر گھٹتی رہی، گھٹتی رہی، توفیق انسانی

شکستہ ناؤ کا ملاح بے دم ہوگیا آخر
بڑھا کر حوصلہ تن میں لہو کم ہو گیا آخر

گرا دریا میں چپو، ہاتھ سے پتوار بھی چھوٹی
شکستہ ہوگئے بازو، مگر ہمت نہیں ٹوٹی

وہ کشتی کے محافظ ڈھونڈتا تھا اب بھی یاروں میں
انہیں تاکید کرتا تھا، اشاروں ہی اشاروں میں

مگر اس کے اشاروں کو سمجھ سکتا نہ تھا کوئی
سمجھ سکتا بھی ہو تو اس طرف تکتا نہ تھا کوئی

تھکن کا ہو رہا تھا اب اثر آہستہ آہستہ
لگا جھکنے وہ سر افروز سر آہستہ آہستہ

وہی سر جو ہواؤں سے نہ طوفانوں سے جھکتا تھا
نہ فرعونوں سے جھکتا تھا نہ ہامانوں سے جھکتا تھا

نہ جھکتا تھا کبھی میر و وزیر و شاہ کے آگے
وہ سر اک مرتبہ پھر جھک گیا اللہ کے آگے

تعجب سے ردائے ابر میں سے برق نے جھانکا
کہ یہ اک آخری سجدہ تھا اس مرد مسلماں کا

شکستہ ناؤ میں، طوفان کی اس چیرہ دستی میں
وہ اپنا فرض پورا کرچکا تھا بحر ہستی میں

ساحل فروری ۲۰۰۷ء